بدرسومات کے خلاف جہاد

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۶ / دسمبر ۱۹۸۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیت قرآنی تلاوت فرمائی:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الاعراف: ۱۵۸)

اور پھر فرمایا:

اس آیت کریمہ میں جس کی میں نے تلاوت کی ہے آنحضور ﷺ کے ان عظیم احسانات کا ذکر فرمایا گیا ہے جو آپؐ نے تمام دنیا پر اور ہر زمانے کے انسان پر قیامت تک کے لئے فرمائے۔ گو ہر نبی اپنی قوم کے لئے محسن کے طور پر ہوتا ہے لیکن وہ محدود زمانہ پاتا ہے اور محدود لوگوں پر احسان کرتا ہے مگر یہ ایک ہی نبی ہے جس کا احسان جغرافیائی وسعتوں میں بھی پھیل گیا اور لامحدود ہو گیا اور سارے عالم کو اس نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور زمانی وسعتوں پر بھی حاوی ہو گیا۔ مستقبل پر تو ہے ہی بعض پہلوؤں سے آنحضرت ﷺ کا احسان ماضی پر بھی ممتد ہو گیا کیونکہ آپؐ وجہ تخلیق

کائنات تھے اس لئے جو مقصود ہے اس کا اول و آخر تمام حالتوں پر ایک احسان ہوتا ہے۔ آپؐ کے کچھ احسانات تو ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ بنی نوع انسان تک از خود پہنچ رہے ہیں اور کچھ احسانات ایسے ہیں جن میں بنی نوع انسان پر کچھ ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں کہ اگر وہ آگے بڑھیں گے، ہاتھ بڑھائیں گے تو اس پھل کو پائیں گے جو ان کے لئے حضرت محمد مصطفی ﷺ نے کامل اور نہایت شیریں اور مکمل حالت میں پیدا فرمایا ہے اور اگر وہ ہاتھ نہیں بڑھائیں گے تو اپنا نقصان کریں گے۔

یہ احسانات جن کا ان آیات میں ذکر ہے جن کی میں نے تلاوت کی ہے یہ دوسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے کچھ ذمہ داریاں ادا فرمائیں ان میں جو آپؐ کے ساتھ تعاون کرے گا' جو آپؐ کی مدد کرے گا ان سے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ کہ صرف انہی لوگوں تک حضرت محمد مصطفی ﷺ کا فیض پہنچے گا اور وہی فلاح پائیں گے اور جو اعراض کریں گے اور ان سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے وہ ان ذمہ داریوں میں اسی حد تک ناکام و نامراد رہیں گے جو حضرت محمد مصطفی ﷺ کے ذریعہ ہم تک پہنچیں۔ ان میں سے کچھ تو واضح طور پر حلال اور حرام سے تعلق رکھتی ہیں۔ حلال بھی بین اور نمایاں ہے اور حرام بھی بین اور نمایاں ہے اور حضور اکرم ﷺ نے اللہ کے حکم کے ساتھ ہر وہ چیز جو بنی نوع انسان کے لئے فائدہ مند تھی وہ حلال کر دی اور ہر وہ چیز جو اپنے اندر گندگی کا پہلو رکھتی تھی اسے حرام فرما دیا۔ حلال کے ساتھ طیب کی شرط بتاتی ہے کہ آپؐ کی شریعت کا قدم پہلی شریعتوں سے آگے ہے، ان سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس سے پہلے کبھی کسی شریعت نے حلال کے ساتھ طیب کی شرط نہیں لگائی تھی۔ آپ بے شک مختلف شرائع کا مطالعہ کریں، مختلف الٰہی کتب کو غور سے پڑھیں قرآن کریم کے سوا کوئی ایسی کتاب نہیں جو حلال اور حرام کو اس طرح کھول کر اور بعض صفات کے ساتھ باندھ کر بیان کرتی ہے اور طیب کو حلال کے ساتھ اکٹھا کر دینا یہ بتاتا ہے کہ امت محمدیہ کو صرف حلال چیزوں کی تعلیم نہیں دی گئی بلکہ حلال میں سے بھی طیب چیزوں کی تعلیم دی گئی ہے کہ انہیں اختیار کرو۔ اسی طرح صرف وہی باتیں حرام کی گئی ہیں جن میں خبث کا پہلو ہے۔

ان دو باتوں سے ایک طبعی اور عقلی نتیجہ نکلتا ہے کہ کوئی شخص حضور اکرم ﷺ پر ایمان لائے یا نہ لائے اگر کوئی شخص اچھی چیزوں کو حلال کر رہا ہو اور بری چیزوں کو حرام کر رہا ہو تو جو اس کی بات نہیں

مانے گا وہ لازماً اپنا نقصان اٹھائے گا جس کا مطلب یہ ہے (شریعت محمدیہؐ کے عالمی ہونے کا ایک یہ بھی پہلو ہے) کہ خواہ کتنا ہی بڑا معاند ہو، مخالف ہو، آپؐ کو مفتری گردانے (نعوذ باللہ من ذالک) لیکن تعلیم ایسی ہے جو اپنی قوت اور زور سے منوا سکتی ہے۔ جو لوگ اس تعلیم سے منحرف ہوں گے، جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ارشادات کو نظر انداز کرتے ہوئے آپؐ کے بیان فرمودہ حرام پر منہ ماریں گے وہ اپنا نقصان خود کریں گے کیونکہ خبیث چیز لازماً نقصان کرتی ہے۔ مثلاً کوئی زہر کھائے اور فخر سے کہے کہ فلاں شخص نے کہا تھا کہ زہر نہ کھاؤ مگر میں اسے نہیں مانتا اس لئے میں کھاؤں گا تو اس کا طبعی نتیجہ یہ نکلے گا کہ زہر اسے نقصان پہنچائے گا۔

پس اگر کسی سے فائدہ کی بات کہی جائے مگر وہ فخر سے یہ کہے کہ میں نہیں مانوں گا تم کیا لگتے ہو یہ باتیں مجھ سے کہنے والے؟ تو لازماً وہ اپنا نقصان کرے گا۔ پس اس آیت میں شریعت کی حکمتیں بھی بیان فرما دی گئی ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا زبان سے انکار بھی کرو تب بھی تمہیں اختیار نہیں کہ اس کے حکم سے باہر جاؤ، جب باہر جاؤ گے سزا پاؤ گے، جب ایسے افعال کرو گے جس کی اجازت حضور اکرم ﷺ نے نہ دی ہو تو تمہیں نقصان پہنچے گا۔

اس آیت کریمہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ حرام اور حلال بیان فرمانے کے بعد وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ایک تیسری چیز بیان فرمائی کہ وہ ان کے بوجھ اتارتا ہے اور ان کی گردنوں سے ایسے طوق دور کرتا ہے جنہوں نے انہیں باندھ رکھا تھا۔ اس سے مراد حلال اور حرام کے مابین وہ عادتیں ہیں جو قوموں پر بوجھ بن جایا کرتی ہیں اور ان کی ترقی کی رفتار کمزور کر دیا کرتی ہیں اور بعض دفعہ اتنے بڑے بوجھ بن جایا کرتی ہیں کہ ان کی آزادیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ وہ رسم و رواج کے غلام بن کر رہ جایا کرتے ہیں اس لئے یہ بد رسوم کے خلاف جہاد کا اعلان ہے۔ یہاں یہ اعلان ہو رہا ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ صرف حلال اور طیب کی اجازت نہیں دے رہے، وہ صرف خبیث اور حرام سے منع نہیں فرما رہے بلکہ ان دونوں کے درمیان کچھ ایسی باتیں بھی تم پاؤ گے کہ فی ذاتہ نہ ان کا خبث نظر آئے گا نہ کوئی خاص طیب بات ان میں دیکھو گے۔ یہ درمیان کی سرزمین ایسی ہے کہ اس میں بھی تمہارے لئے بعض باتیں مصیبت کا موجب بن سکتی ہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تمہیں ایسے رسم و رواج سے بھی روکیں گے اور روک رہے ہیں اور دیگر ایسی عادات سے بھی

روکیں گے اور روک رہے ہیں کہ جو تمہاری گردنوں کا طوق ثابت ہو سکتی ہیں۔

ان آیات کی روشنی میں میں جماعت کو یہ توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہم پر لازم ہے کہ وقتاً فوقتاً رسم ورواج کے خلاف آواز بلند کرتے رہیں۔ ''رسم ورواج'' کا مضمون جیسا کہ میں نے بیان کیا اس آیت کی روشنی میں کچھ ابہام اپنے اندر رکھتا ہے۔ بعض چیزیں جائز ہوتی ہیں لیکن بعض حالتوں میں جا کر وہ ناجائز بن جاتی ہیں یعنی جب وہ قوم پر بوجھ بن جائیں۔

اس آیت میں رسم ورواج کی فلاسفی بیان فرما دی گئی ہے اور بہت سے ایسے مسائل حل کر دیئے گئے ہیں جو کم نظر اور کم فہم انسان کو ویسے بھی سمجھ نہیں آتے۔ مثلاً جماعت میں ایک وقت میں یہ کھلی اجازت تھی کہ بیاہ شادی کے موقع پر جب بچی کو رخصت کیا جاتا ہے تو مہمانوں کی چائے سے تواضع کی جائے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی جب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا نکاح ہوا تو اس موقع پر کھجوریں بھی تقسیم کیں اور چائے سے بھی مہمانوں کی تواضع فرمائی۔ تو یہ بات ایک وقت تک جماعت میں رائج رہی۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ مصلح موعودؓ نے حکماً منع فرما دیا کہ تم نے آئندہ سے بچیوں کو رخصت کرتے وقت کوئی تواضع نہیں کرنی۔ کم فہم لوگ چونکہ اسلام کے حلال اور حرام کو تو شاید سمجھتے ہوں لیکن ان درمیانی چیزوں کو نہیں سمجھتے، ان بوجھوں کو نہیں سمجھتے جنہیں دور کرنے کے لئے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے تھے۔ وہ حیران ہوتے ہیں کہ ایک ہی چیز ہے، ایک ہی جماعت ہے، ایک ہی خلیفہ ہے، اس کی زندگی کے، اس کی خلافت کے ایک دور میں کوئی چیز حلال ہے اور دوسرے دور میں حرام ہو جاتی ہے یہ کیسی عجیب بات ہے۔

تو اصل بات یہ ہے کہ اگر کوئی چیز حلال بھی ہو اور طیب بھی ہو مگر جب وہ قوم پر بوجھ بننے لگتی ہے تو بوجھ بننے کی وجہ سے اسے اتارا جاتا ہے۔ یہ تو ضروری نہیں کہ کوئی زائد بوجھ انسان پر ہو، اگر آپ نے اپنا سامان اٹھایا ہوا ہو تو کون کہہ سکتا ہے کہ آپ نے کوئی ناجائز چیز اٹھائی ہوئی ہے لیکن اگر منزل سے پیچھے رہ رہے ہوں یا یہ خطرہ ہو کہ آپ منزل تک نہیں پہنچ سکیں گے تو آپ اپنی جائز ضرورت کی چیزوں کو بھی اتار کر پھینکنے لگ جاتے ہیں حتیٰ کہ بعض صورتوں میں جب وہ چیزیں بوجھ بن جائیں تو انسانی قربانی بھی دینی پڑتی ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب طوفان آئے تو قرعے ڈالے جاتے ہیں کہ کشتی سے کس کو باہر پھینکا جائے تا کہ باقی لوگ بچ سکیں۔

چنانچہ حضرت یونسؑ سے متعلق یہی واقعہ بیان ہوا ہے کہ بھری ہوئی کشتی میں سوار تھے کشتی کو خطرہ درپیش ہوا تو انہوں نے قرعہ ڈالا کہ اس بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے کیا تدبیر کی جائے، کسے باہر نکالا جائے تو الٰہی مشیّت کے مطابق حضرت یونسؑ کا قرعہ نکل آیا۔ (الصافات:۱۴۲) تو اب دیکھئے یہاں حلال اور حرام کی بحث نہیں ہے۔ بحث یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کی غلامی میں جس شخص کا بھی فرض ہوگا کہ وہ قوم کو بوجھوں سے نجات دے انہیں غیر معمولی مصیبتوں سے بچائے اور یہ دیکھے کہ ان کا کوئی فعل اور کوئی عادت ترقی کی راہ میں حائل تو نہیں ہو رہی اسے اس کا حق ہی نہیں بلکہ اس کا فرض ہے کہ انہیں ان باتوں سے روکے۔

پس حضرت مصلح موعودؓ نے جب یہ فعل کیا تو پہلے اجازت دینا بھی جائز تھا پھر روکنا بھی جائز تھا۔ آنحضرت ﷺ کی کامل غلامی میں آپؐ کے کاموں کو سمجھ کر آپؐ کے احکامات کی حکمتوں کو خوب جان کر آپ نے یہ فعل کیا۔ اب بھی بعض لوگ مجھ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اس کے متعلق کیا حکم ہے کیونکہ مختلف جگہوں پر یہ سوال ہوئے اس لئے مجھے یہ خیال آیا کہ آج آپ کے سامنے اس معاملہ میں بھی تھوڑی سی وضاحت کروں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شادی اور بیاہ، موت اور غم میں ایک فرق ہے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ شادی بیاہ کے موقع پر بھی آپ اسی طرح اسی طرز سے اپنے غم کو منائیں جس طرح بیاہ شادی کے وقت خوشی کو مناتے ہیں۔ خوشی انسان کو طبعاً دعوتوں پر بھی آمادہ کرتی ہے، خوشی طبعی طور پر مٹھائی تقسیم کرنے کے ساتھ ایک تعلق رکھتی ہے، دل چاہتا ہے کہ ہم اپنی خوشی میں دوسروں کو بھی شریک کریں۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ خوشی کے طبعی اظہار سے ممانعت نہیں لیکن جب یہ رسمیں بن جائیں، قوم پر بوجھ بن جائیں تو پھر انہیں منع کیا جائے گا۔ آپؑ نے فرمایا کہ نیتوں پر دارومدار ہوتا ہے۔ بعض دفعہ بے تکلفی سے بعض باتیں خود بخود رونما ہو رہی ہوتی ہیں اور پھر آہستہ آہستہ رسم کی شکل اختیار کر جاتی ہیں اور انہیں ان کے کرنے پر غیر اللہ کا خوف مجبور کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس مقام پر نہ صرف وہ منع ہو جاتی ہیں بلکہ شرک میں داخل ہونے لگتی ہیں۔ یہ اس وقت کے امام کا فرض ہے کہ وہ قوم کو لازماً ان چیزوں سے روک دے۔

چنانچہ بیاہ شادی کے موقعہ پر جو خاطر مدارات سے روکا گیا اس کی حکمت بیان کرتے

ہوئے حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا کہ بعض لوگ غریب ہیں جن میں طاقت نہیں ہے۔ بعض لوگ امیر ہیں جن میں طاقت ہے اگر وہ طاقت کے اندر رہیں اور اسراف نہ کریں تو خاطر مدارات کرنا ناجائز نہیں ہے لیکن اگر امیروں کی اس عادت کی بنا پر ایک ایسی رسم چل پڑے کہ غریب اپنے آپ کو مجبور سمجھے کہ لازماً میں نے خاطر مدارات کرنی ہے ورنہ میری ناک کٹ جائے گی اور اپنے آپ کو پابند سمجھنے لگے تو اس کا وہ فعل ایک طبعی حالت کے نتیجہ میں نہیں ہے بلکہ طبعی حالت کے خلاف ہے۔ ان امور کا فیصلہ کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی صفت جو ہمیشہ ہمارے لئے راہنما بنی رہے گی اور جس سے متعلق قرآن کریم نے کہا کہ لوگوں کو اچھی طرح بتا دو کہ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (ص: ۸۷) کہ اگر تم مجھے سمجھنا چاہتے ہو تو یہ دیکھ لو کہ میں متکلف نہیں ہوں۔ مجھ سے طبعی حالتیں ظاہر ہوتی ہیں اور کسی غیر کی طاقت، جبر، دباؤ یا غیر اللہ کے کسی خوف سے میری ان طبعی حالتوں میں تم کوئی تبدیلی نہیں دیکھو گے۔

پس اگر جماعت میں یہ بات اسی طرح جاری رہتی کہ جو غریب ہے وہ اپنی توفیق کے مطابق کچھ خرچ کرتا یا نہ کرتا اس کی عزت نفس پر فرق نہ پڑتا، غیر اللہ کا خوف اسے اپنی طاقت سے بڑھ کر خرچ کرنے پر مجبور نہ کرتا تو غالباً اس حکم کی ضرورت نہ رہتی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اگر امرا اسراف کرنے لگ جاتے، نام ونمود اور نمائش کی خاطر خرچ کرنے لگ جاتے تو اس وجہ سے انہیں بھی روکا جاتا۔ چنانچہ مصلح موعودؓ نے فرمایا کہ ان غریبوں کی وجہ سے جو مجبور ہو کر ایک غلط کام میں مبتلا ہو رہے ہیں اور غلط بوجھ اٹھانے لگ گئے ہیں میں نے ساری جماعت کو حکم دیا ہے کہ جن کو طاقت بھی ہے وہ بھی اپنے کمزور بھائیوں کی خاطر رک جائیں اور ان کی عزت نفس کا خیال کریں تو ان کا رکنا ان کے لئے ثواب کا موجب ہوگا کیونکہ ان کے اس فعل سے غریبوں کو حوصلہ ہوگا وہ سمجھیں گے کہ یہ کوئی ضروری بات تو تھی نہیں امیر بھی نہیں کر رہے ہم بھی نہیں کر رہے۔ تو اس سے بہت سے ایسے مصارف ہیں جن سے انہیں نجات ملے گی وہ اپنی بچی کو جو کچھ دینا چاہتے ہیں انہیں توفیق ملے گی کہ بجائے لوگوں کو چائے پلانے کے ایک دو جوڑے کپڑوں کے بچی کو دے دیں۔ یہ طریق بنیادی طور پر اسی طرح جاری ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ اس میں کچھ نرمی پیدا ہوئی ہے اور خلفاء نے مختلف اوقات میں کچھ نرمی کی ہے مثلاً پانی پیش کر دینا، پان پیش کر دینا یا صرف مٹھائی (خشک مٹھائی کے طور

پر) پیش کر دینا۔ لوگوں کو با قاعدہ کھانے کی میز پر نہیں بٹھاتے بلکہ وہیں بیٹھے بیٹھے دعا کے ساتھ کچھ چیزیں پیش کر دی جاتی ہیں اس حد تک تو اس میں سر دست کوئی حرج نہیں لیکن عموماً جب اجازتیں دی جاتی ہیں یا بعض باتوں سے صرف نظر کیا جاتا ہے تو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ پھر لوگ آگے قدم بڑھاتے ہیں اور سرک سرک کر پھر اس مقام تک پہنچنے لگ جاتے ہیں کہ اس کے نتیجہ میں پھر باقیوں کو بھی اس سہولت سے محروم کرنا پڑتا ہے۔ میں جماعت کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ ایسی بات نہ کریں اور خواہ مخواہ معاملات کو اس حد تک آگے نہ بڑھائیں کہ یوں محسوس ہو کہ وہ رسم بن چکی ہے اور جماعت پر بوجھ بن گیا ہے اور پھر وہی مصیبت غریبوں پر آپڑی ہے جس سے انہیں بچایا گیا تھا۔ تو معروف کی حد تک محض خوشی کے اظہار کے لئے اس قسم کی کچھ خاطر مدارات ہو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

چند دن ہوئے ایک شادی کے موقع پر ایک صاحب تشریف لائے اور کہا کہ کوکا کولا کی تو اجازت ہے جبکہ اس سے چائے کی پیالی سستی پڑتی ہے اس لئے چائے کی اجازت نہ ہونے کی مجھے سمجھ نہیں آ رہی، جب سردیاں آ گئی ہیں تو چائے کی اجازت ملنی چاہئے۔ میں نے کہا کہ اگر چائے کی اجازت ملے گی تو پھر اس کے لوازمات کی بات شروع ہو جائے گی۔ اہتمام کیا جائے گا۔ پھر میزیں لگائی جائیں گی پھر کرسیاں اور ان کے لئے سائبان۔ یہ سارے اخراجات جو چائے کے ساتھ لازم ہیں یہ کوکا کولا کے ساتھ تو لازم نہیں اور پھر مٹھائی بھی ساتھ آ جائے گی کہ جب مٹھائی کی بغیر چائے کے اجازت تھی تو چائے کے ساتھ اجازت کیوں نہیں۔

پس یہ چیزیں ایسی ہیں جو رفتہ رفتہ جڑ پکڑتی چلی جاتی ہیں اور ان کا حال اس اونٹ والا ہو جاتا ہے جس نے اپنے مالک کو خیمہ سے نکال دیا تھا۔ سردیوں کا زمانہ تھا بڑی سردی پڑتی ہے۔ صحرا میں جتنی گرمی پڑتی ہے اتنی ہی سردی بھی پڑا کرتی ہے، تو کہانی کے مطابق بے چارہ اونٹ (اس وقت تک تو وہ ''بے چارہ'' تھا پھر مالک ''بے چارہ'' ہو گیا) اونٹ نے بڑے ادب سے مالک سے درخواست کی کہ میں تو خیمے سے باہر سردی سے مرا جا رہا ہوں اور تم اندر گرمی میں آرام کر رہے ہو اجازت ہو تو میں تھوڑا سا سر اندر داخل کر دوں۔ مالک نے کہا اتنی تو جگہ ہے سر داخل کر لو۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا کہ سردی کچھ بڑھ گئی ہے تو اگر گردن بھی ساتھ آ جائے تو کیا حرج ہے مالک نے کہا ٹھیک ہے گردن کی بھی اجازت ہے۔ پھر اس نے کہا کہ دیکھو میری چار ٹانگیں ان میں سے اگلی

دو کو اندر داخل کرنا چاہتا ہوں کیونکہ ساری ٹانگیں تو ٹھنڈی نہیں ہونی چاہئیں۔ تو اس نے کہا چلو ٹھیک ہے اور پھر خود سکڑ کر ایک طرف ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد اونٹ نے کہا کہ اب مجھ میں صبر کی طاقت باقی نہیں رہی اب بقیہ رات تم باہر نکلو اور میں اندر آؤں گا۔ تو بعینہٖ اسی طرح رسم و رواج داخل ہوتے ہیں۔ پھر کسی ایک مقام پر اگر چھوٹے سے حصے کو آپ کہیں کہ یہ ناجائز ہو گیا ہے تو یہ درست نہیں ہوتا۔ قوم کی حالت پر تو عمومی نگاہ رکھنی پڑتی ہے ورنہ کسی ایک مقام پر وہ تنکا آ ہی جاتا ہے کہ پھر جس کے بوجھ سے کمر ٹوٹنے لگتی ہے اس لئے اس چھوٹی چھوٹی چیزوں پر نگاہ رکھ کر روکنا پڑتا ہے۔

پس یہ اصول پیش نظر رہنا چاہئے کہ ان چیزوں میں جو حلال اور حرام کی بینات میں داخل نہیں ہیں۔ ان کی آگے پھر قسمیں ہیں۔ ان میں کچھ ایسی ہیں جو بعض حالات میں جائز اور بعض حالات میں ناجائز ہو جاتی ہیں اس وقت میں اس قسم سے متعلق بات کر رہا ہوں۔ ایسی باتوں سے پرہیز کریں جو بعض حالات میں جائز بھی ہوتی ہیں لیکن اگر ان میں آپ زیادتی کر جائیں تو ناجائز ہو جاتی ہیں اور اگر مزید زیادتی کریں تو وہی چیزیں شیطنت کہلاتی ہیں چنانچہ قرآن کریم نے وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا (بنی اسرائیل: ۲۷) کہہ کر تبذیر کرنے والوں، حد سے زیادہ فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی، شیطان کا ساتھی قرار دیا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ احکامات میں اتنی واضح تقسیمیں نہیں ہیں کہ ایک چیز اچانک حرام اور اچانک حلال ہو جاتی ہے۔ بعض ایسی بھی جگہیں ہیں جہاں حلال چیز حرام اور حرام چیز حلال ہو جاتی ہے۔ مثلاً مرتے ہوئے کے لئے سؤر رکھانا، یہ اس کے برعکس مثال ہے۔ تو باریک نظر سے ان ساری چیزوں کا مطالعہ کرتے رہنا چاہئے۔

پس جہاں تک جماعت کا تعلق ہے کوشش یہ کریں کہ اسراف سے کام نہ لیا کریں، جائز چیزوں میں بھی حد کے اندر رہیں۔ قرآن کریم طیب کھانے کی اجازت دینے کے بعد ساتھ ہی اسراف سے بھی منع فرماتا ہے۔ فرماتا ہے بے شک کھاؤ، حلال اور طیب ہو، لیکن اسراف نہ کرو۔ (الاعراف: ۳۲) تو بہت سی رسمیں ہیں۔ بہت سے ایسے افعال ہیں جو اسراف کے نتیجہ میں منع کرنے پڑتے ہیں۔ کچھ ایسے افعال ہیں جن کے متعلق فرمایا کہ وہ ''اغلال'' ہیں، گردنوں کے طوق ہیں۔ وہ ایسی رسمیں ہیں جو خصوصیت کے ساتھ لغو میں داخل ہوتی ہیں۔ کسی حالت میں بھی پسندیدہ نہیں ہیں عام زندگی کی حالت میں بھی ان سے بچنا چاہئے مثلاً شادی کے وقت ڈھول ڈھمکے، کنچنیوں

کو نچانا، ڈھوم مراثیوں کو بلوانا، آتش بازیاں چھوڑنا، ایسی نمائش کرنا کہ جس کے نتیجہ میں قوم پر بہت بوجھ پڑتے ہیں ان چیزوں کی نہ کوئی سند ہے نہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں مروج تھیں اور نہ ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی اجازت فرمائی بلکہ کھلم کھلا منع فرمایا۔ لہٰذا ان چیزوں سے بھی پرہیز لازمی ہے ورنہ یہ گردنوں کا طوق بن جائیں گی۔ مراد یہ ہے کہ یہ رسمیں رفتہ رفتہ قوم پر قابض ہو جاتی ہیں اور ان کی آزادیاں مسخ کر دیتی ہیں، وہ رسموں کی غلام ہو جاتی ہیں اور ان سے باہر نہیں آ سکتیں۔ اسی طرح موت کے ساتھ کچھ رسمیں بندھی ہوئی ہیں ایسی لغو رسمیں ہیں جو نیکی کے نام پر کی جارہی ہیں مثلاً ''ختم قرآن'' اس کی کوئی سند حضور اکرم ﷺ یا صحابہ کرامؓ سے نہیں ملتی۔ کوئی ایک واقعہ بھی آپ نہیں دیکھیں گے کہ کسی مردہ پر قرآن پڑھ پڑھ کر پھونکا جارہا ہو اور بخشا جارہا ہو۔ اب اس میں بڑی نفاستیں پیدا ہو گئی ہیں نئی نئی باریکیاں آ گئی ہیں۔ چنانچہ بعض ختم کھجور کی گٹھلی کے ختم کہلاتے ہیں یعنی کھجوروں کی گٹھلیاں تقسیم کر دی جاتی ہیں اور ہر گٹھلی پر کوئی سورت مثلاً سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ یا سورۂ فلق وغیرہ مقرر کر دی جاتی ہے کہ یہ پڑھ پڑھ کر پھونکو اور پھر جو مہمان زیادہ گٹھلیاں ہاتھوں میں سے گزار دے وہ گویا اس مرنے والے کا سب سے زیادہ ہمدرد ہے۔ آج کل ایک ختم بادام بھی نکلا ہے گٹھلیوں سے آگے بڑھ کر اب بادام پر قرآن پڑھ پڑھ کر ان کو ایک طرف رکھتے چلے جاتے ہیں، جتنے زیادہ بادام تمہارے ہاتھوں سے نکلیں گے مردہ اتنے ہی زیادہ اعزاز پا جائے گا اور خدا کے حضور اس کے اتنے ہی گناہ بخشے جائیں گے۔ ایسی لغو باتیں ہیں جن کا شریعت سے کوئی بھی تعلق نہیں یہ ساری وہ رسمیں ہیں جنہیں ہم نے مٹانا ہے۔ جن کے خلاف ہم نے جہاد کرنا ہے، جن سے ہم نے دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی آزاد کروانا ہے۔

میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ جماعت نہ کرے۔ مجھے علم ہے کہ جماعت تو اس قسم کی رسمیں اختیار نہیں کرتی لیکن آپ کا فرض ہے کہ غیروں کی بھی اصلاح کریں۔ یاد رکھیں قرآن کریم بار بار ایسی مثالیں دیتا ہے کہ انبیاء اپنے منکرین کی بھی اصلاح کر رہے ہوتے ہیں جو ان کے دعوے پر ایمان بھی نہیں لا رہے ہوتے انہیں بھی نیک نصیحت کر رہے ہوتے ہیں اس لئے اس بات سے قطع نظر کہ جماعت کو دنیا کیا سمجھ رہی ہے آپ کو مسلمان بھی کہتی ہے کہ نہیں جماعت کو معروف باتوں میں غیروں کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے۔ معروف کا حکم دینا چاہئے اور بدیوں سے روکنا چاہئے کیونکہ کل کو

انہوں نے آپ کا جزو بننا ہے۔ جس چیز نے آپ کے بدن کا جزو بننا ہے اس کی پہلے بھی تو کوئی اصلاح ہوا کرتی ہے۔ آپ اسے جتنی خام حالت میں قبول کریں گے اتنا ہی زیادہ آپ کو نقصان پہنچے گا۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ کھانا کھانے سے پہلے کس طرح اس کی صفائی اور چھٹائی کی جاتی ہے، اس سے گندگی کو دور کیا جاتا ہے اور جس حد تک آپ اسے پاک اور صاف بنا سکیں اس حد تک آپ کے اندرونی نظام کے لئے مفید ہے اس لئے تبلیغ کرنے والی قوموں کو یہ گر ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔ قرآن کریم کے اس تاریخی بیان میں گہرا فلسفہ ہے کہ انبیاء لوگوں کے ایمان لانے سے پہلے ان کو نصیحت کیا کرتے تھے اس لئے کہ کل کو جنہوں نے لازماً جزو بدن بن جانا ہے آج ان کی اصلاح کرو ورنہ وہ اپنی بدرسمیں تمہارے اندر لے آئیں گے۔ اگر ان کے ساتھ کنکر بھی آئیں گے، اگر ان کے ساتھ ملاوٹیں بھی آئیں گی تو کل تمہارا گردوں کا نظام فیل ہو سکتا ہے، کل تمہارا انتڑیوں کا نظام خراش کی وجہ سے ایک مستقل بیماری بن سکتا ہے اور بجائے اس کے کہ تمہاری لذت کا انتظام کرے وہ تمہارے لئے دکھ اور تکلیف کا موجب بن سکتا ہے۔ تبھی تو فوج در فوج داخل ہونے کے وقت استغفار کی تعلیم دی گئی ہے کہ اس وقت خدا کا خوف کرنا چاہئے اور بخشش مانگنی چاہئے۔

پس ہم پر ہر پہلو سے لازم ہے۔ اس پہلو سے بھی کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے امر بالمعروف کا کسی مومن اور غیر مومن سے تعلق نہیں تھا اور اس سے پہلے انبیاء کا بھی کسی مومن اور غیر مومن سے تعلق نہیں تھا وہ سب کے لئے امر بالمعروف کرتے تھے سب کو ہی منکر سے روکتے تھے اور اس پہلو سے بھی کہ اپنا فائدہ ہے بالآخر انہوں نے طوعاً و کرہاً آنا ہی آنا ہے۔ کچھ دیر لڑیں گے ماریں گے آخر انہوں نے آپ کی گودی میں پڑنا ہے اس لئے ابھی سے ان سے پیار اور محبت کر کے ان کی اصلاح کریں تا کہ آپ کے لئے بعد کے کام ہلکے ہو جائیں۔

ایک اور یہ پہلو ہے کہ بعض رسمیں اپنے لئے بوجھ بنتی ہیں، بعض دوسروں کے لئے بھی بوجھ بن جاتی ہیں اور اس کے نتیجہ میں نہایت ہی خطرناک معاشرتی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً بچی کو طاقت سے بڑھ کر تکلف کے ساتھ جہیز دینا اس غرض سے دنیا کیا کہے گی کہ بچی کو کچھ نہیں دیا اس کی کوئی شرعی سند نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو فرماتے ہیں کہ نکاح میں جو لازم ہے وہ صرف اتنا ہے کہ کھڑے ہو کر ایجاب و قبول ہو اور رخصتانہ ہو جائے صرف اتنا سا فرض ہے چنانچہ

آپؐ فرماتے ہیں کہ اب بتاؤ اس کے لئے کون سے سودی روپے لینے کی ضرورت ہے اور کیوں بوجھوں کے نیچے دبنے کی ضرورت ہے۔ (بدر جلد ۷ نمبر ۵ مؤرخہ ۵ فروری ۱۹۰۸)

پس جہاں تک نکاح اور بیاہ کی اصل ہے وہ انسان کی ایک شرعی اور تمدنی ضرورت ہے جسے پورا کرنے کے لئے سب سے آسان راستہ اسلام نے تجویز کیا ہے لیکن اس بات سے منع بھی نہیں فرمایا کہ بچی کو رخصت کے وقت کچھ دے دیا جائے ہاں اگر اس میں تکلف آ جائے تو چونکہ یہ سنت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خلاف ہوگا جو کہہ رہی ہے وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ تو اسی تکلف کی حد تک اس کے نقصان شروع ہو جائیں گے اور ہوتے ہیں۔ نقصان کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ پھر یہ لوگ دکھاوے کی خاطر اپنی طاقت سے بڑھ کر بوجھ اٹھاتے ہیں۔ قرضوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور ان کی عزت نفس بھی تباہ ہو جاتی ہے اور انہیں لوگوں کے سامنے یہ کہہ کر ہاتھ پھیلانے پڑتے ہیں کہ ہمارے پاس بچی کو دینے کے لئے کچھ نہیں ہے، ہمیں کچھ دو۔ دوسری طرف یہ بوجھ دوسروں پر بھی منتقل ہونے لگتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اس پہلی برائی کو مزید طاقت مل جاتی ہے یعنی پھر بعض لوگ اس حد تک آگے بڑھتے ہیں کہ وہ دوسروں سے مطالبہ کرنے لگتے ہیں کہ تم جہیز دو ورنہ ہم تمہاری بچی نہیں لیں گے۔ یہ وہ حد ہے جو کسی قیمت پر بھی جماعت کو قبول نہیں ہو سکتی۔ یعنی اگر تم خود بوجھ تلے دب رہے ہو، تکلف کر رہے ہو یہ بھی بہت بری بات ہے لیکن اسلام کی منشا کے خلاف اسلام کے احکام کے خلاف کسی بچی والے کو مجبور کرنا کہ وہ اپنی بیٹی کو موٹروں، قالینوں یا صوفہ سیٹوں کے ساتھ رخصت کرے، یہ ایسی ناجائز حرکت ہے کہ اسے کسی طرح بھی جماعتی نظام برداشت نہیں کر سکتا۔

پس اس عادت کو آپ خصوصیت کے ساتھ دور کریں اس کے نتیجہ میں ہماری سوسائٹی میں بہت سے دکھ پھیل چکے ہیں۔ میرے علم میں ہے، مجھے بارہا بڑے دکھ کی ایسی چٹھیاں ملتی ہیں اور پھر جھگڑوں کے وقت فریقین کے مطالبوں کے ساتھ بھی مجھے علم ہو جاتا ہے کہ کیا کیا بے ہودہ حرکتیں پہلے ہو چکی ہیں۔ نکاح کے آغاز اور رخصتانہ سے پہلے جو بدنیتیں آپ کے اعمال میں داخل ہو چکی ہوتی ہیں وہ بالآخر کسی نہ کسی وقت دکھ کا موجب بنتی ہیں۔ آخر پر جب اموال کی علیحدگی کے وقت تقسیمیں ہو رہی ہوتی ہیں تو پھر یہ سارے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں کہ فلاں نے تو یہ دیا تھا اور فلاں نے وہ دیا تھا اور فلاں سے یہ لیا گیا تھا اور پھر واپس نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس سے پھر اگلا محلّہ بھی

تباہ ہونے لگتا ہے۔ ایسے لوگ دوسروں سے قرض لیتے ہیں اور پھر واپس نہیں کر سکتے۔ ایسی مثالیں بھی سامنے آتی ہیں کہ لوگوں سے دکھاوے کی خاطر زیور مانگ کر لئے اور جب وہ اپنی بیٹی سے واپس لے جانے لگے تو دوسروں نے دخل دیا۔ انہوں نے کہا اب کہاں لے جا رہے ہو اب تو یہ ہمارے قابو آ گیا ہے یہ تو یکطرفہ رستہ ہے واپسی کا کوئی سوال نہیں ہے اور پھر اس پر بڑے بڑے سخت جھگڑے چلے ہیں کہ انہوں نے اپنی بچی کو فلاں زیور دیئے تھے اور اب یہ واپس لے جانے لگے تھے ہم نے پکڑ لیا ہم نہیں جانے دیں گے، ان کا کیا حق ہے حالانکہ بعد میں پتہ چلا کہ وہ محض دکھاوے اور نام ونمود کی خاطر مانگے ہوئے زیور تھے۔

پس یہ ساری وہ رسمیں ہیں جن کے خلاف ہمیں جہاد کرنا ہے اور جماعت کو ان بوجھوں سے آزاد کرنا ہے ورنہ بہت سے جھگڑے بھی چل پڑیں گے۔ رسمیں اپنی ذات میں بھی بے ہودہ چیزیں ہیں اور آپ کو ان سے آزاد کرانا آپ کی اپنی بھلائی میں ہے لیکن اس کے نتیجہ میں پھر اور جو بداثرات پیدا ہوتے ہیں اس سے سوسائٹی پھٹ جاتی ہے۔ اختلافات بڑھ جاتے ہیں، نفرتیں پیدا ہوتی ہیں، دنیا داری بڑھ جاتی ہے، روحانیت کو بڑا شدید نقصان پہنچتا ہے۔ ایک دوسرے کے بعد پے در پے رونما ہونے والے نتائج ہیں جو اپنے بداثرات میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اس لئے رسموں کو معمولی نہ سمجھیں اگر آپ ان سے صرف نظر کریں گے تو یہ بڑھ کر آخر کار آپ پر قابو پا جائیں گی۔ پھر یہ پیر تسمہ پا بن جائیں گی کہ جو آپ کی گردن میں ٹانگیں پھنسا لے گا اور پھر اس گردن کو نہیں چھوڑے گا اسی لئے خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں رسم کی بھیانک شکل کا نام طوق رکھا ہے فرمایا۔ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ بڑی بڑی مصیبتوں میں پھنسے ہوئے لوگ تھے جن پر میرا محمد مصطفی ﷺ ظاہر ہوا۔ کس شان کا نبی ہے انہیں حلال باتیں بھی کھول کھول کر بتا رہا ہے اور حلال میں سے بھی طیبات ان پر حلال کر رہا ہے اور حرام باتیں بھی خوب کھول کھول بتا رہا ہے اور بیچ کی باریک راہوں سے بھی غافل نہیں ہے۔ انہیں خوب اچھی طرح بتاتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان کیا کیا چیزیں ہیں اور ان میں کیا کیا احتیاطیں اختیار کرنی چاہئیں اور پھر ان قوموں کو آزادی دلا رہا ہے جو صدیوں سے رسم ورواج کے طوق تلے کلیتہً بے کار اور غلام بن چکی تھیں۔ ایسی حالت میں پھر ان کا اپنا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ یہ جو اپنا کچھ بھی باقی نہ رہا، یہ ترجمہ میں کر رہا ہوں گردن کے طوق کا۔ بات

یہ ہے کہ گردن کا طوق انسان کے لئے سب سے زیادہ ذلیل کن غلامی ہے۔ وہ طوق ایسی جگہ کا ہے جہاں سے آپ اس کو آزاد کروا ہی نہیں سکتے۔ ٹانگوں کی بیڑیوں سے تو ٹانگیں کاٹ کر بھی نجات ہو سکتی ہے، پاؤں کی بیڑیوں سے نجات ہو سکتی ہے چنانچہ ایسے واقعات ملتے ہیں کہ بعض قیدیوں نے کسی بڑی مصیبت سے بچنے کی خاطر ان کلائیوں کو کاٹ دیا جن پر ہتھکڑیاں تھیں تو ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں۔ بعض جانور ہیں جن کی ٹانگیں پھنستی ہیں ان سے متعلق محققین کہتے ہیں کہ وہ خود اپنے دانتوں سے چبا کر اپنی ٹانگ کو کاٹ کر الگ کر دیتے ہیں اور آزاد ہو جاتے ہیں لیکن گردن میں جو طوق پڑ جاتے ہیں ان سے آزادی کی پھر کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔

پس حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اتنے عظیم محسن ہیں ایسے عظیم نجات دہندہ ہیں کہ وہ گردن کے طوقوں سے بھی قوموں کو آزاد کرنے والے ہیں اس لئے پیشتر اس کے کہ وہ طوق بن جائیں آپ اپنی فکر کریں اور یہ بھی آپ کا فرض ہے کہ جن لوگوں کے طوق بن چکے ہیں ان کو آزاد کروائیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے معاشرے کو ایسا خوبصورت اور حسین بنا دے کہ ہم میں سے ہر ایک کہہ سکے کہ جس طرح میرے آقا نے کہا تھا وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ میں بھی اسی آقا کی بدولت اس کے قدموں کے پیچھے چل کر آج یہ کہہ سکتا ہوں وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ میری زندگی صاف اور سچی اور واضح ہے۔ اگر میں غریب ہوں تو میری غربت تمہارے سامنے ہے۔ اگر میں امیر ہوں تو میری امارت تمہارے سامنے ہے میں متکلفین میں سے نہیں ہوں جو تکلیف کر کے ناجائز مصیبتوں میں مبتلا ہو جایا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۲؍فروری ۱۹۸۴ء)